ایمان اور فلسفۂ ابتلاء وآزمائش

پروفیسر توقیر عالم فلاحی ☆

اللہ تبارک وتعالیٰ نے زمین وآسمان اور ان کے تمام موجودات کو انسانوں کے لیے بنایا۔ دوسرے الفاظ میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ انسان مخدومِ کائنات ہے اور تمام مخلوقاتِ ارضی وسماوی بے چون وچرا اس کی خدمت کررہی ہیں۔ انسان کی عظمت کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ آسمانوں کی زینت [1] چاند، سورج اور ستاروں کی شکل میں ہو یا زمین کی زینت [2] نباتات، جمادات یا حیوانات کی شکل میں ہو، یہ سب کائنات کے اصل امتحان دہندہ اور اشرف المخلوقات انسان کے لیے ہیں تاکہ اللہ تبارک وتعالیٰ انہیں آزمائے کہ کون اطاعت وفرمانبرداری کا عہد نبھاتا ہے اور کون انحراف وبغاوت کا مرتکب ہوتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿تَبٰرَكَ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْكُ ۫ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرُ ۟ۙ الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوةَ لِیَبْلُوَكُمْ اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ؕ﴾ (المُلک)

''نہایت بزرگ وبرتر ہے وہ ذات جس کے اختیار میں (اس کائنات کی) سلطنت ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ جس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا، تاکہ تم لوگوں کو آزمائے کہ تم میں کون بہتر عمل کرنے والا ہے۔''

انسانوں میں کون احسان منداور کون شکرگزار ہے اور کون احسان فراموش اور ناشکرا ہے، کائنات کی تمام نعمتوں کا وجود اور خدائے رحمٰن ورحیم کی ودیعت کردہ نعمتوں سے مالا مال انسان کی تخلیق کی غرض وغایت یہی ہے کہ کردار وعمل کے لحاظ سے انہیں پرکھا جائے۔ ایک جگہ واضح الفاظ میں انسانوں کی تخلیق کے اس مقصد کو واشگاف کیا جاتا ہے:

﴿اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ ۖ نَّبْتَلِیْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِیْعًا ۢ بَصِیْرًا ۝ اِنَّا هَدَیْنٰهُ السَّبِیْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا ۝﴾ (الدھر)

''ہم نے انسان کو ایک مخلوط نطفے سے پیدا کیا تاکہ اس کا امتحان لیں اور اس غرض کے لیے ہم نے اسے سننے اور دیکھنے والا بنایا۔ ہم نے اسے راستہ دکھایا، وہ شکر کرنے والا ہے یا کفر کرنے والا۔''

ایک جگہ خلیفۃ اللہ یا نائب کی حیثیت سے انسانوں کے مقام کی تذکیر کرائی جاتی ہے اور آپس کے فرق ومراتب کی مصلحت بیان فرمائی جاتی ہے:

﴿وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّیَبْلُوَكُمْ فِیْ مَآ

☆ ایسوسی ایٹ پروفیسر شعبۂ دینیات (سنی) علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ towqueer@yahoo.in

اٰتٰىكُمْ ؕ﴾ (الانعام:۱۶۵)

''اور وہی ہے جس نے تم کو زمین کا خلیفہ بنایا' اور تم میں سے بعض کو بعض کے مقابلہ میں زیادہ بلند درجے دیئے' تاکہ اُس نے جو کچھ تم کو دیا ہے اس میں تمہاری آزمائش کرے۔''

انسان کی سب سے بڑی شکر گزاری یہ ہے کہ وہ اللہ پر ایمان لائے' اس طور پر کہ وہ اپنی ذات میں اکیلا ہے' نہ وہ کسی کی اولاد ہے اور نہ ہی اس کی کوئی اولاد ہے'(۳) وہ سرچشمہ صفات ہے اور اس جیسی صفات یا کوئی ایک صفت دنیا کی بڑی سے بڑی ہستی میں نہیں ہے'(۴) اور یہ کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ آسمان و زمین کی ملکیت اُسی کے لیے ہے۔ اگر وہ کسی کو کوئی نقصان پہنچانا چاہے تو ساری دنیا مل کر بھی اس نقصان کا ازالہ نہیں کر سکتی اور اگر وہ کسی کو کوئی فائدہ پہنچانا چاہے تو دنیا کی ساری طاقت جھونک دی جائے تو بھی اس کو روکا نہیں جا سکتا۔ اگر اللہ پر ایمان ہے تو انسان کا ہر نیک عمل عملِ صالح بن جاتا ہے اور چھوٹے سے چھوٹے عمل کی اللہ کی بارگاہ میں قدر افزائی ہوتی ہے۔ ایسے ہی لوگ سعادت مند اور خوش نصیب ہوتے ہیں اور قرآن کی زبان میں خیر البریہ (بہترین خلائق) سے ملقب ہوتے ہیں۔ ان کی بابت اللہ ربّ العزت کی بشارت سنیے:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ ۝ جَزَآؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهٗ ۝﴾ (البیّنة)

''بلاشبہ جو لوگ ایمان لے آئے اور جنھوں نے نیک عمل کیے وہ بہترین خلائق ہیں۔ ان کی جزا ان کے رب کے ہاں دائمی قیام کی جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی' وہ ان میں ہمیشہ ہمیش رہیں گے۔ اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔ یہ (صلہ) اس کے لیے ہے جو اپنے رب سے ڈرتا ہے۔''

ہر خطہ ارض کے لوگ رنگ و نسل' نسب و برادری' شان و شوکت اور قوت و اقتدار کے لحاظ سے چاہے جتنے اعلیٰ و ارفع ہوں' اگر ایمان نہیں ہے تو وہ خسارے میں ہیں' اور زیورِ ایمان سے آراستہ اور اعمالِ صالحہ سے مزین افراد ہی کامیاب و کامران ہیں۔ اس سلسلے میں زمانے کو شاہد بنا کر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَالْعَصْرِ ۝۱ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ۝۲ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝۳﴾ (العصر)

''زمانے کی قسم! انسان درحقیقت خسارے میں ہے۔ سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک اعمال کرتے رہے' اور انہوں نے ایک دوسرے کو حق کی نصیحت کی اور انہوں نے باہم ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کی۔''

کتاب اللہ میں ایک جگہ عمل صالح کو ایمان سے مشروط قرار دیا گیا اور اس کے نتیجے میں عمدہ اور خوشگوار زندگی کی ضمانت دی گئی۔ فرمایا جاتا ہے:

﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۹۷﴾ (النحل)

''جوکوئی بھی نیک کام کرے گا خواہ مرد ہو یا عورت' بشرطیکہ وہ مؤمن ہو' ہم یقینی طور پر اسے (دنیا میں) خوشگوار زندگی بسر کرائیں گے اور (آخرت میں) ایسے لوگوں کو لازماً ان کے کیے کا بہتر اجر دیں گے۔''

ایمان سب سے بڑی شکر گزاری سے موسوم ہے۔ اس کی موجودگی میں اچھے اور نیک اعمال اللہ رب العزت کی نگاہ میں شرفِ قبولیت سے ہمکنار ہوتے ہیں اور یہی اعمالِ صالحہ میزان عمل میں معتبر اور وزنی قرار پاتے ہیں۔ اس کے بالمقابل کفر یا شرک بڑی ناشکری بلکہ اللہ سے کھلّم کھلا بغاوت کا نام ہے۔ حالت کفر میں چاہے بڑے بڑے اسکول اور کالج بنا دیے جائیں' دیدہ زیب مدرسے اور مکتب قائم کر دیے جائیں' معیاری طرز کے مسافر خانے اور شفاخانے تعمیر کر دیے جائیں' غرضیکہ کوئی بھی نیک عمل خواہ کتنا ہی بڑا ہو' اللہ کے یہاں نا قابل قبول ہوتا ہے اور میزانِ عمل میں بے وقعت اور بے وزن ہو جاتا ہے۔ کفر کی حالت میں جو اچھے اعمال کیے جاتے ہیں وہ آخرت کے بازار میں مثل سراب کے ہوں گے۔ قرآن مجید نے ایسے لوگوں کے نیک اعمال کی بڑی عبرت ناک تمثیل پیش کی ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:

﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۢ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَهٗ لَمْ يَجِدْهُ شَيْـًٔا وَّوَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗ ؕ﴾ (النور: ۳۹)

''اور جنھوں نے کفر کیا' ان کے اعمال کی مثال ایسی ہے جیسے دشت بے آب میں سراب کہ پیاسا اس کو پانی سمجھے ہوئے تھا' مگر جب وہاں پہنچا تو کچھ نہ پایا' بلکہ وہاں اس نے اللہ کو موجود پایا جس نے اس کا پورا پورا حساب چکا دیا۔''

کفر کرنے والے اللہ کے بڑی باغی ہوتے ہیں۔ انہیں حِزْبُ الشَّيْطٰنِ (۵) ''شیطان کی جماعت'' سے بھی قرآن نے موسوم کیا ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جنھیں اللہ کی کتاب بدترین مخلوق قرار دیتی ہے اور ان کا ابدی ٹھکانہ جہنم قرار دیتی ہے۔ ربّ السمٰوات والارض کا یہ ارشاد سنیے:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ فِىْ نَارِ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ اُولٰٓئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ ۝۶﴾ (البینة)

''اہل کتاب اور مشرکین میں سے جن لوگوں نے کفر کیا ہے' وہ یقیناً جہنم کی آگ میں ہوں گے اور ہمیشہ اس میں رہیں گے۔ یہی لوگ بدترین خلائق ہیں۔''

جب ایمان اتنی بیش قیمت دولت ہے کہ جس کے بغیر کوئی بھی نیک عمل اعمالِ صالحہ میں شمار نہیں ہوتا اور اس پر اجر کی امید رکھنا امر موہوم' بے حقیقت بلکہ سنگین فریب ہے' تو یہ بڑا سنجیدہ موضوع بن جاتا ہے۔ چنانچہ اپنی بھلائی کے خواہاں اور متمنی ہر ذی ہوش کو حقیقتِ ایمان سے واقفیت کے لیے فکر مند ہو جانا چاہیے تاکہ اعمالِ صالحہ کی قبولیت کے سلسلے میں خدشات وخطرات کے بادل اُمڈتے نظر نہ آئیں۔ حقیقت ایمان سے واقفیت کے لیے قرآن کریم ہی ہمارے لیے مصدرِ اول اور سرچشمۂ ہدایت ہے۔ چند آیاتِ کریمہ اس غرض سے حوالہ ناظرین کی جاتی ہیں۔

شک وریب اور تذبذب وتردّد کی کیفیت ایمان کے متضاد ہے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا.....﴾ (الحجرات:۱۵)

''مؤمن تو حقیقت میں وہ ہیں جو اللہ اور اُس کے رسول پر ایمان لائے اور پھر شک میں نہ پڑے.....''

خشک وتر' نرم وگرم اور موافق وناموافق' تمام احوال میں بندۂ مومن سے استقامت و پامردی کا تقاضا ہوتا ہے۔ایمان کے لوازم میں سے یہ ہے کہ موقع پرستی اور مفاد پر مبنی وقتی اقدامات سے گریز کیا جائے۔جیسا کہ فرمایا جاتا ہے:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا.....﴾ (حٰمٓ السجدة:۳۰)

''جن لوگوں نے کہا' ہمارا رب اللہ ہے اور پھر اس پر ثابت قدم رہے.....''

اہل ایمان حقیقت میں وہ ہیں جو مال ودولت' کرسی واقتدار اور اولاد واحفاد سے بے جا محبت نہیں کرتے۔ دوسرے الفاظ میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ اسباب واحوال اور ازواج واولاد کی محبت اللہ کی محبت پر غالب نہیں آتی' بلکہ اللہ کی محبت دنیا ومافیہا کی محبت پر غالب ہوتی ہے۔ایمان والوں کی یہ لازمی صفت ہے۔ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ﴾ (البقرة:۱۶۵)

''اور جو لوگ ایمان لاتے ہیں وہ سب سے بڑھ کر اللہ سے محبت رکھتے ہیں۔''

بے چون وچرا اللہ ورسول کو قانون ساز اور حَکم تسلیم کرنا اور اللہ ورسول کے فیصلوں سے متعلق کسی قسم کی تنگی یا کبیدگی محسوس نہ کرنا بھی ایمان کے لوازم میں ہے۔قرآن مجید کی اس آیت سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے فیصلوں کی عظمت طشت از بام ہوتی ہے اور مؤمن کے سامنے اس سلسلے میں قطعی اور حتمی لائحہ عمل سامنے آتا ہے۔ اللہ ربّ العزت کا ارشاد ہے:

﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿۶۵﴾﴾ (النساء)

''پس نہیں' (اے نبی ﷺ!) تمہارے رب کی قسم وہ ہرگز مؤمن نہیں ہیں جب تک وہ اپنے باہمی اختلافات میں تمہیں فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں' پھر جو کچھ تم فیصلہ کرو اُس پر اپنے دلوں میں بھی کوئی تنگی محسوس نہ کریں بلکہ پوری طرح سر اطاعت جھکا دیں۔''

محض زبانی اقرار سے ایمان کی عظمت واضح نہیں ہوتی۔'لا الٰہ الا اللہ' محض زبان پر ہو اور اس کے تقاضے کے مطابق عمل نہ ہو تو گویا ایمان دراصل دل کی دنیا میں اپنی جگہ نہیں بنا سکا ہے' اس لیے کہ ایمان کی تخم ریزی اگر بندۂ خدا کے قلب میں ہوگئی ہے تو اس کا عملی مظاہرہ ہوتا ہے' یہاں تک کہ ایمان جب شجرِ طیّب کی شکل اختیار کر لیتا ہے تو پھر ہر عمل مؤمن کے قول کی تصدیق کرنے والا ہوتا ہے۔

ایمان کی حقیقت سے متعلق قرآن مجید کی یہ ہدایت بڑی اہم اور قابلِ التفات ہے:

﴿قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ؕ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ؕ وَاِنْ تُطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَا يَلِتْكُمْ مِّنْ اَعْمَالِكُمْ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴﴾﴾ (الحجرٰت)

''یہ بدوی کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے۔ان سے کہو کہ تم ایمان ہرگز نہیں لائے' بلکہ یوں کہو کہ ہم مطیع ہوگئے

اور ایمان ابھی تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا ہے۔ اگر تم اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری اختیار کرلو تو وہ تمہارے اعمال کے اجر میں کوئی کمی نہ کرے گا۔ یقیناً اللہ بڑا درگزر کرنے والا اور رحیم ہے۔''

قول اور عمل میں تضاد دراصل ایمان میں اخلاص کے نہ ہونے کے سبب ہوتا ہے۔ اگرچہ اس طریقہ عمل میں بندۂ خدا دنیا کی اس زندگی میں عافیت کی راہ کا راہی بنتا نظر آتا ہے' اس کے خلاف مزاحمت و مخالفت کا ماحول گرم نہیں ہوتا' مصیبتیں اور مشکلات رفع ہوتی نظر آتی ہیں' لیکن قرآن مجید اسے نفاق سے تعبیر کرتا ہے' اس کی شخصیت پر دھندلکے چھا جاتے ہیں' انفرادیت اور تشخص اس کا باقی نہیں رہتا۔ اس کردار کے حاملین کے لیے معاشرۂ انسانی کے دل میں جگہ نہیں ہوتی اور وہ اس کردار کی بنا پر موقع پرست' عیّار اور مکّار کی حیثیت سے بھی لوگوں میں جانا جاتا ہے۔ اللہ ربّ العزت کے نزدیک یہ کردار بہت گھناؤنا ہوتا ہے۔ اس کردار کی سنگینی اس آیت شریفہ میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝۲ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝۳﴾ (الصف)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم کیوں وہ بات کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو؟ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ سخت ناپسندیدہ حرکت ہے کہ تم کہو وہ بات جو کرتے نہیں۔''

ایمان و اخلاص کے متضاد اس حرکت و عمل کے انتہائی شنیع اور سنگین جرم ہونے کا اندازہ اس آیت کریمہ سے بھی ہوتا ہے جس میں اس کردار کے نمائندوں کو بطور سزا انتہائی اذیت ناک جہنم کی وعید سنائی جاتی ہے:

﴿اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ﴾ (النساء:۱۴۵)

''یقیناً منافقین جہنم کے سب سے نیچے (اذیت ناک) طبقے میں ہوں گے۔''

ایمان و اخلاص سے محروم رہنے والا شخص خواہ وہ کافر ہو یا مشرک یا منافق' دراصل بنیادی طور پر اس فکر و خیال کا متحمل ہوتا ہے کہ اللہ واحد کے سوا بھی دنیا میں بہتیرے اشخاص و افراد اور اسباب و عوامل فائدہ اور نقصان کے مالک ہوتے ہیں۔ اللہ' رسول اور آخرت پر ایمان لانے والا شخص صرف اور صرف اللہ سے ڈرتا ہے۔ شعور کی گہرائی سے وہ اس بات کا قائل ہی نہیں بلکہ علمبردار ہوتا ہے کہ ایک ذرہ سے لے کر پہاڑ تک' سب پر اُسی ذاتِ واحد کی حکمرانی ہے اور سب کا وجود اس کے مرہونِ منت ہے۔ اس لیے وہ رسول ﷺ کے ذریعہ لائی گئی تعلیمات پر ایمان رکھتا ہے اور موت کے بعد کی زندگی پر اسے حق الیقین ہوجاتا ہے۔ اپنے آپ کو اگر وہ ذمہ دار اور جوابدہ سمجھتا ہے تو صرف اور صرف مولائے حقیقی کے سامنے' اسی لیے وہ ڈرتا بھی اُسی سے ہے۔ قرآن حکیم میں سینکڑوں مقامات پر اُسی سے ڈرنے اور اُسی کا ہوکر رہنے کی تلقین فرمائی جاتی ہے۔ (۶)

ایمان کا اولین اور اہم ترین تقاضا یہ ہے کہ صرف اور صرف اللہ کی ذات سے ڈرا جائے۔ اللہ کے علاوہ جتنے بھی خودساختہ خدا ہیں' خواہ کسی منصب و اقتدار کی شکل میں ہوں' نفس اور مفاد کی شکل میں ہوں' رنگ و نسل کی شکل میں ہوں' علاقائیت اور برادری کی شکل میں ہوں یا پھر مکتبہ فکر اور مسلک کی شکل میں ہوں' یہ سب شیطان کے احباب و رفقاء ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایمان والوں سے صاف صاف یہ کہتا ہے کہ اگر ایمان کے مدعی ہو اور اس میں

تم مخلص ہو تو اس کا تقاضا ہے کہ صرف مجھ سے ڈرو! یہ واضح فرمانِ خداوندی ایمان والوں کو لائحہ عمل دے رہا ہے:

﴿اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ يُخَوِّفُ اَوْلِيَآءَهٗ ۠ فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷۵﴾ وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ ۚ اِنَّهُمْ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ۭ﴾ (آل عمران:۱۷۶)

''وہ تو محض شیطان ہے جو اپنے احباب سے تم کو ڈراتا ہے۔ تم ان سے ہرگز نہ ڈرنا اور مجھ ہی سے ڈرو اگر تم حقیقت میں ایمان والے ہو۔ جو لوگ کفر کی راہ میں سرگرمی دکھا رہے ہیں' یہ تمہیں غم زدہ نہ کر دیں۔ یہ اللہ کا ہرگز کچھ بھی نہیں بگاڑ سکیں گے۔''

اللہ کے خوف و ڈر کو قرآن نے تقویٰ کے جامع لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ اگر دلوں پر اُس کی حکمرانی ہو جائے تو رات کی تاریکی میں بھی اور دن کی روشنی میں بھی' تنہائی میں بھی اور جم غفیر میں بھی' بند کمرے اور چہار دیواری میں بھی' سڑکوں اور شاہراہوں پر بھی' آبادی میں بھی اور صحرا میں بھی' ہر جگہ انسان کے لیے یہ تقویٰ یا خدا کا ڈر ایک ضابط و حکمران ثابت ہوتا ہے۔ اور چوں کہ یہ انسان کے دل پر حکمران ہوتا ہے اسی لیے انسان اندر سے بدل جاتا ہے اور ہر جگہ مرضیٔ مولا کے حصول میں متحرک اور سرگرم عمل رہتا ہے۔ دل و دماغ پر تقویٰ کی حکمرانی کے بعد وہ جری اور بہادر ہو جاتا ہے۔ دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت کا ڈر اس کے اندر سے کافور ہو جاتا ہے اور وہ اللہ کا ہو کر رہتا ہے۔ یہی تقویٰ دنیا میں رہتے ہوئے اسے توشہ آخرت کی فراہمی کا روح پرور اور مؤثر سبق سکھاتا ہے۔

خوفِ خدا سے زندگیوں کو مزیّن کرنے کی تلقین ایک جگہ ایک ہی آیت کریمہ میں دو بار ہوتی ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸﴾﴾ (الحشر)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ سے ڈرو اور ہر شخص یہ دیکھے کہ اس نے کل کے لیے کیا سامان بھیج رکھا ہے۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو یقیناً اللہ تعالیٰ تمہارے ان اعمال سے خوب باخبر ہے جو تم کرتے ہو۔''

پُرخار راہوں اور سنگلاخ وادیوں کو سر کرنے کے بعد ہی مرضیٔ مولا کے حصول کی منزل تک رسائی ہوتی ہے۔ یہ سعادت و سرخروئی اسی وقت حاصل ہوتی ہے جب ایک بندۂ مؤمن مصائب و شدائد کی بھٹیوں سے ہو کر گزرتا ہے۔ انسان نما خونخوار بھیڑیے اس کی راہ میں حائل ہوتے ہیں اور اذیت ناک روح فرسا احوال پیش کر کے اس کو اپنے موقف سے پھیرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ایسے حالات میں بندۂ مومن سے استقامت کا مطالبہ ہوتا ہے۔ خدا کے معزز ترین فرستادوں اور ان کے اہل ایمان ساتھیوں کی تاریخ ہے کہ انسانیت کش اور دلدوز حالات پیدا کر کے اللہ کے ان رسولوں اور معزز ترین بندوں کو موقف سے روکنے کی کوشش کی گئی ہے' لیکن اس میں بھی صداقت ہے کہ باطل کے علمبرداروں نے منہ کی کھائی ہے اور اہل حق فتح مند اور سرخرو ہوئے ہیں۔

آدم ثانی حضرت نوح علیہ السلام کی ساڑھے نو سو سالہ دعوت اور اس کے نتیجے میں قوم کے اوباشوں کا سلوک و برتاؤ' موحد اعظم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ نمرود اور اس کی قوم کے ظلم و جارحیت کا لامتناہی سلسلہ' حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ فرعون اور اس کی قوم کی طرف سے طوفانِ بدتمیزی اور ایذا رسانی کا غیر مختتم وقوعہ' حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ قوم کا قابل مذمت برتاؤ اور سولی پر لٹکا دینے کی سازش اور اسی راہ حق میں حضرت زکریا'

حضرت یحییٰ اور دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ سفاکیت اور درندگی کا مظاہرہ' یہ سب تاریخی حقائق ہیں جن کو جھٹلایا نہیں جاسکتا۔ مصائب ومشکلات اس راہِ حق کا توشہ ہیں اور اللہ کی جنت شدائد ومحن کے ریگ زاروں اور صبر آزما مراحل سے گزرتے ہوئے ملتی ہے۔ ایمان والوں کو جنت کی راہ بتائی جاتی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ؕ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ؕ﴾ (البقرہ: ۲۱۴)

''پھر کیا تم لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ (یوں ہی) جنت کا داخلہ تمہیں مل جائے گا' حالاں کہ ابھی تم پر وہ سب کچھ نہیں گزرا ہے جو تم سے پہلے ایمان والوں پر گزر چکا ہے۔ ان پر سختیاں گزریں' مصیبتیں آئیں' ہلا مارے گئے' حتیٰ کہ وقت کا رسول اور اس کے اہل ایمان ساتھی چیخ اٹھے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی!''

ایمان والوں سے ہر دور میں اللہ تعالیٰ نے اپنی نصرت وتائید کا وعدہ کیا ہے اور آج بھی اہل ایمان سے وعدہ ہے کہ جو لوگ ایمان کے زیور سے آراستہ ہوں گے اور ان کے تقاضوں کو بے چون وچرا پورا کر رہے ہوں گے' ان کو اللہ کی تائید ونصرت ملے گی۔ ایمان والوں کو بشارت کی شکل میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا یہ وعدہ ذہن نشین کرایا جاتا ہے:

﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِى الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۪ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِى ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ؕ﴾ (النور: ۵۵)

''اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے تم میں سے ان لوگوں کے ساتھ جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں کہ وہ ان کو اسی طرح زمین میں خلیفہ بنائے گا جس طرح ان سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں کو بنا چکا ہے' ان کے لیے ان کے اس دین کو مضبوط بنیادوں پر قائم کر دے گا جسے اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں پسند کیا ہے اور ان کی (موجودہ) حالت خوف کو امن سے بدل دے گا۔''

نصرتِ خداوندی اور تائیدِ الٰہی کی سنت کو اللہ کی کتاب ایک جگہ یوں واضح کرتی ہے:

﴿اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ ﴿۵۱﴾ يَوْمَ لَا يَنْفَعُ الظّٰلِمِيْنَ مَعْذِرَتُهُمْ وَلَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ ﴿۵۲﴾﴾ (المؤمن)

''بالیقین ہم اپنے رسولوں اور ایمان لانے والوں کی مدد اس دنیا کی زندگی میں بھی کرتے ہیں اور اُس روز بھی کریں گے جب گواہ کھڑے ہوں گے۔ جب ظالموں کو ان کی معذرت کچھ بھی فائدہ نہ دے گی اور ان پر لعنت ہوگی اور ان کے لیے بدترین ٹھکانہ ہوگا۔''

اللہ کی نصرت کا یہ اعزاز ان سعید اور مبارک روحوں کے حصے میں آتا ہے جو ایمان کی راہ میں ابتلاء وآزمائش کو لابدی حقیقت کے طور پر دیکھتے ہیں اور اس کے لیے آمادہ خاطر رہتے ہیں۔ تائید ونصرت کی سنّتِ الٰہی میں یقیناً کوئی تغیّر وتبدّل نہیں ہے۔(۷) لیکن اس کی آزمائش کی سنّت بھی اتنی ہی مضبوط' مستحکم اور یقینی ہے۔ ان ربّانی فرمودات کو ملاحظہ فرمائیے:

﴿اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ۝۲ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ۝۳﴾ (العنکبوت)

''کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ بس اتنا کہنے پر چھوڑ دیے جائیں گے کہ ہم ایمان لائے اور ان کو آزمایا نہ جائے گا' حالاں کہ ہم ان سب لوگوں کی آزمائش کر چکے ہیں جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں۔ چنانچہ اللہ کو تو یہ ضرور دیکھنا ہے کہ سچے کون ہیں اور جھوٹے کون!''

یوں تو اللہ تبارک وتعالیٰ عام لوگوں کو دے کر بھی آزماتا ہے اور لے کر بھی آزماتا ہے۔ مقصد یہ ہوتا ہے کہ بندہ مال و دولت' عزت و جاہ اور کرسی و اقتدار پا کر انانیت اور تکبر کے اظہار کے ذریعہ چھچھورے پن کا تو مظاہرہ نہیں کرتا اور ناشکر گزار بندوں کے زمرے میں تو نہیں آتا' اور لے کر آزماتا ہے کہ وہ رحمت خداوندی سے مایوس ہو کر تھڑدلے پن کا تو مظاہرہ نہیں کرتا اور اس کے پایۂ استقامت میں لغزش تو نہیں آتی۔ لیکن تاریخی حقیقت ہے کہ بالعموم جو اللہ سے جتنا قریب ہوا' اس کی اتنی ہی آزمائش ہوئی اور وہ مبتلائے مصیبت کیا گیا۔ ہاں آخر میں ناموری' شہرت' اقتدار اور حکومت کی شکل میں انہیں دنیا بھی حَسَنَة کے طور پر دی گئی اور وہ شاد کام و سرخرو ہوئے۔ ایمان والوں کو اس بات پر بھی یقین ہونا چاہیے کہ اس راہ میں مشکلات اور ناخوشگوار حالات سے سابقہ پڑے بغیر اللہ کی رضا و خوشنودی حاصل نہیں ہو سکتی اور اس کے فضل و کرم کا ظہور نہیں ہو سکتا۔ گویا ابتلاء و آزمائش کامیابی و سرخروئی کی راہ کا توشہ ہے۔ اس سلسلے میں اللہ ربّ العزت کی یہ یقین دہانی آج کے حالات میں زخموں کا مرہم اور مایوسی و قنوطیت کے مرض کا تریاق ہے۔ فرمان سنیے:

﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ﴾

(البقرۃ:۱۵۵)

''اور ہم کسی قدر خوف و خطر' فاقہ کشی' جان و مال اور پھلوں میں نقصان کے ذریعہ ضرور تمہیں آزمائیں گے۔''

کلمہ طیبہ کے مقدس الفاظ جب دل کی گہرائیوں میں پیوست ہوتے ہیں اور پورے یقین کے ساتھ زبان پر آتے ہیں تو مخاطب معاشرہ کے کان کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اس آواز کو دبانے کے لیے منصوبے بنائے جاتے ہیں اور سازشیں کی جاتی ہیں۔ ''لَا اِلٰہ'' کے الفاظ کلمہ کا پہلا جزو ہے جس کے ذریعہ دنیا میں رائج ہر طرح کی خدائیوں کا انکار ہوتا ہے۔ آباء و اَجداد کے دین کی اندھی تقلید اور ضد و ہٹ دھرمی کے پیکر' تکبر و عناد کے رسیا' اوہام و خرافات میں گرفتار اور خود ساختہ خداؤں کے پرستار کبھی بھی اس آواز کو ٹھنڈے پیٹوں برداشت نہیں کر سکتے اور یہ بھی حقیقت ہے کہ جب تک معبودان باطل کا انکار نہیں کیا جائے گا معبود حقیقی کا اعتراف و اعلان بلکہ ایمان و ایقان مہمل اور بے سود ہوگا۔ گویا ''اِلَّا اللّٰہ'' (صرف اللہ) کی آواز اُسی وقت معتبر ہو سکتی ہے جب کہ ''لَا اِلٰہ'' (معبودانِ باطل کا انکار) کا اعلان پورے شعور کے ساتھ دوٹوک انداز میں کیا جائے۔

گویا اچھائی یا نیکی اس وقت تک اچھائی یا نیکی نہیں ہوتی جب تک اس کی ضد برائی یا بدی کو برائی اور بدی نہ کہا جائے۔ روشنی' صحیح معنوں میں اپنا وجود تسلیم نہیں کراتی جب تک تاریکی کو زوردار انداز میں رد نہ کیا جائے۔ اسی طرح حق' حق نہیں ہو سکتا جب تک باطل کو پوری قوت کے ساتھ باطل نہ کہا جائے۔ اُمتِ مسلمہ کے

افراد ہونے کی حیثیت سے امر بالمعروف (نیکی کا حکم دینا) اور نہی عن المنکر (بدی سے روکنا) کا فریضہ انجام دینا ہوگا' اس لیے کہ دعوت کا کام امت کی شناخت ہے۔ اگر ایک جماعت اس فریضے کی ادائیگی سے کوتاہ رہتی ہے تو گویا وہ جماعت اپنی انفرادیت وتشخّص کو مجروح کرتی ہے۔ ہاں نماز کی تعلیم' قرآن سے تعلق کی تذکیر اور دیگر عبادات کی انجام دہی کی تلقین وغیرہ بلاشبہ دعوت الی اللہ کے زمرے میں ہیں' لیکن بدی وبرائی اور فحاشی وعریانیت کے خلاف قولی اور عملی شکل میں صدائے احتجاج' فتنہ پروری وبغاوت کے خلاف محاذ آرائی اور دیگر فواحش ومنکرات کے خلاف معرکہ آرائی بھی اتنا ہی ناگزیر ہے جتنا معروفات اور نیکیوں کی دعوت دینا۔

ہاں سیئات ومنکرات کے خلاف اقدام وعمل میں بھی حکمت عملی کو بالائے طاق نہیں رکھا جائے گا' کیونکہ حکمت ودانائی داعی کے لیے ایک بڑی مؤثر تدبیر ہے (۸) اور یہ نعمت جسے مل گئی اسے گویا بیش قیمت دولت مل گئی۔ (۹) چنانچہ حکمت عملی یا عقل ودانائی کا استعمال کرتے ہوئے کبھی طاقت استعمال کی جائے گی' کبھی زبان استعمال کی جائے گی اور کبھی دل سے اس سے نفرت کی جائے گی اور کسی قسم کا نرم گوشہ اس برائی سے متعلق حاشیۂ دل میں کوئی جگہ نہ پائے گا۔ برائیوں سے روکنے سے متعلق یہ تینوں ذرائع بترتیب اول' دوم اور سوم درجے کے ایمان کی نمائندگی کرتے ہیں۔ کوئی ایمان کے تیسرے درجے پر بھی فائز نہیں ہے تو گویا رائی برابر بھی ایمان اس کے اندر نہیں ہے۔ (۱۰)

اچھائی کو اچھائی کہنا' یا کسی کو نیک کاموں کی طرف بلانا' دعوت وتبلیغ کے کام کے لیے کسی کو کہنا' تلاوتِ قرآن کے اہتمام کی تلقین کرنا' اجتماعات اور جلسوں کا انعقاد کرنا' راہ خدا میں خرچ کرنے کی تذکیر کرنا' یہ کام بلاشبہ معروفات میں ہیں۔ بالعموم ہر شخص چاہے جس کردار کا حامل ہو' سننے سے گریز نہیں کرتا اور داعی کے خلاف منصوبوں اور سازشوں کا دام تیار نہیں کرتا' ہاں جب برائی کو برائی کہا جائے اور برائی کرنے والے کے خلاف احتجاج کیا جائے اور اس کو باز رکھنے کی کوشش کی جائے تو طاقت' زبان اور دلی نفرت' ان سب صورتوں میں مخالفت ناگزیر ہوجاتی ہے' بلکہ ایذارسانی سے بھی گریز نہیں کیا جاتا۔ ابتلا وآزمائش کا سبق یہاں یاد کرنا پڑتا ہے اور ثباتِ قدمی اور استقلال کی تعلیمات انہی احوال وکوائف میں سودمند اور نفع بخش ہوتی ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نبوت سے قبل مخصوص انداز میں اللہ کی حمد وتسبیح اور عبادت میں مشغول ومنہمک تھے یا نبوت کے بعد جب تک مخفی انداز سے دین کا کام کرتے رہے تو آلام ومصائب آپؐ کے قریب نہیں پھٹکے' نہ ہی مخالفین کی مخالفتیں ہوئیں اور نہ ہی سازشوں کا جال بچھایا گیا' جگرخراش طعنے اور دلدوز دھمکیاں بھی آپؐ کو نہیں سننا پڑیں' لیکن پیغمبر انسانیت ﷺ کی تاریخ دعوت اس حقیقت پر گواہ ہے کہ جب آپؐ نے صفا کی بلندی پر چڑھ کر مخاطب معاشرہ کو متوجہ کیا اور قُوْلُوْا لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ تُفْلِحُوْا (تم لا الٰہ الا اللہ کہہ دو تو کامیاب وکامران ہوجاؤ گے) کے مقدس اور انقلابی کلمات جب اس کے کانوں میں گونجے تو عصبیت' جہالت اور تکبر کے خوابیدہ بت جاگ اٹھے۔ انہوں نے داعی اعظم اور محسن انسانیت ﷺ کے اس نسخۂ شفا کو آباء واَجداد کے تراشیدہ خداؤں (لات عزیٰ' منات اور ہبل) کے خلاف بغاوت اور اعلانِ جنگ قرار دیا۔ اب ابولہب' عتبہ' ولید' ابوجہل اور دیگر رؤسائے قریش آپؐ کے متشدّد حریف بن گئے اور دعوت' داعیٔ اعظم ﷺ اور آپؐ کے اصحاب کے خلاف شمشیر برہنہ

ہو گئے۔ مخالفت اور عناد کے جو جو حربے اختیار کیے جا سکتے تھے' انہوں نے سب کو آزمایا' آپ کی نیتوں پر شبہ کیا گیا' سب وشتم کیا گیا' شعب ابی طالب کے قیدی بنائے گئے' سفاکیت اور درندگی کے مظاہرے کیے گئے' آپ ﷺ کے احباب ورفقاء گرم گرم ریتوں پر لٹائے گئے' سینوں پر پتھر رکھے گئے' سماجی مقاطعہ ہوا' فاقے کرنے پڑے' گھر بار اور زمین وجائیداد تک چھوڑنا پڑا۔ گویا اللہ کی راہ میں اللہ کے اس عظیم ترین نجات دہندہ اور اس کے احباب ورفقاء کو ابتلاء وآزمائش کی بھٹیوں سے گزرنا پڑا' جبھی یہ دعوت برگ وبار لائی اور تمام کروفر کے ساتھ خدا کی زمین پر جلوہ نما ہوئی اور اسی دنیا کے اندر محسن اعظم ﷺ کو مقام محمود (۱۱) اور آپؐ کے رفع ذکر (۱۲) اور آپؐ کی مغفرت (۱۳) کا چرچا اللہ ربّ العزت نے اپنی کتاب میں بطور اعزاز کر دیا اور آپؐ کے رفقاء کو اسی دار فانی میں ''رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ'' کی شکل میں ربّ کریم کی رضا کی سند مل گئی۔ (۱۴)

توحید کی علمبردار اُمت مسلمہ کے کاندھوں پر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ذمہ داری کا بار ہے۔ ہر فردِ اُمت اپنی صلاحیت واستعداد کے مطابق اس عظیم الشان فریضے کی انجام دہی کے لیے مکلّف ہے۔ معروفات اور حسنات کی تشہیر وتبلیغ کے ساتھ ہی ساتھ منکرات اور سیئات کا قلع قمع کرنے کی ذمہ داری بھی اس داعی امت پر یکساں طور پر عائد ہوتی ہے۔ دعوتِ دین کے اس سفر میں دشوار گزار مراحل آئیں گے' خطرات وخدشات کے بادل اُمڈتے دکھائی دیں گے' سازشیں کی جائیں گی' سختیاں جھیلنی پڑیں گی' فاقے کرنے پڑیں گے' لڑائیاں لڑنا پڑیں گی' اور خون بھی بہیں گے' لیکن اگر استقلال کا سرمایہ اور مشن سے محبت ہو اور پایہ ثبات میں لغزش نہ آئے تو ایسے لوگوں کو ربانی الطاف وعنایات کی نوید سنائی جاتی ہے اور راہ یاب وہدایت یافتہ ہونے کا مژدۂ جاں فزا بھی انہیں ملتا ہے:

﴿وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ۝۱۵۵ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۝۱۵۶ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۟ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ۝۱۵۷﴾ (البقرۃ)

''اور خوشخبری دے دیجیے ان لوگوں کو جو مصیبت آنے پر صبر کریں اور کہیں کہ ہم تو اللہ ہی کے ہیں اور اُسی کی طرف ہمیں واپس جانا ہے۔ یہی ہیں جن پر ان کے رب کی طرف سے عنایتیں ہوں گی اور اس کی رحمت کا سایہ ہوگا' اور ایسے ہی لوگ راست رو ہیں۔''

ترغیبات وتحریصات' خوشگوار وناخوشگوار احوال اور مثبت ومنفی رویوں کے باوجود اگر موقف پر استقامت وپامردی کا ثبوت دیا جاتا ہے تو اللہ ربّ العزت کی طرف سے تائید ونصرت کے طور پر فرشتوں کا نزول ہوتا ہے جو انہیں سعادتِ دارین کی بشارت دیتے ہیں۔ یہ آیاتِ کریمہ سراپا تبشیر ہیں:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ۝۳۰ نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ ۝۳۱ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ ۝۳۲﴾ (حٰمٓ السجدۃ)

''جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا ربّ اللہ ہے اور پھر وہ اس پر ثابت قدم رہے' یقیناً ان پر فرشتے نازل ہوتے ہیں (اور ان سے کہتے ہیں) کہ نہ ڈرو' نہ غم کرو' اور اس جنت کی بشارت سے خوش ہو جاؤ جس کا تم سے وعدہ

کیا گیا ہے۔ہم اس دنیا کی زندگی میں بھی تمہارے ساتھی ہیں اور آخرت میں بھی۔ وہاں جو کچھ تم چاہو گے تمہیں ملے گا' جو مانگو گے وہ ملے گا (اور بطور اعزاز فرمایا جائے گا) یہ ہے سامان ضیافت' اس ہستی کی طرف سے جو غفور و رحیم ہے۔''

کائنات میں انسان کی تخلیق امتحان و آزمائش کے مقصد سے ہوئی ہے۔ وہ اشرف المخلوقات ہے اور پوری کائنات اس کی خدمت گار ہے۔ اس کی جانب سے ربّ السموات والارض کے لیے سب سے بڑی شکر گزاری یہ ہے کہ وہ ایمان کی روش پر گامزن ہو اور عمل صالح کا طریقہ اختیار کرے۔ یہی شکر گزاری اسے اللہ کی تیار کردہ نعمتوں کے باغات کا مستحق اور ابدی قیام گاہوں کا مکین بنا دیتی ہے۔ اس کے بالمقابل سب سے بڑی ناشکری یہ ہے کہ اللہ واحد کا انکار کیا جائے اور کفر کا رویہ اختیار کرتے ہوئے اپنی زندگی کو بے لگام کر دیا جائے۔ جہنم کے دہکتے ہوئے شعلے ایسے ناشکروں کا استقبال کرتے ہیں۔ ایمان جب زیورِ اخلاص سے آراستہ ہو تو قول و عمل میں توافق و ہم آہنگی ہوتی ہے۔ ایسا شخص اللہ واحد سے ہی ڈرتا ہے' اُسی کو معاملاتِ زندگی میں قولاً اور عملاً احکم الحاکمین تسلیم کرتا ہے' اللہ کی محبت اُس کے دل و دماغ پر چھائی ہوئی ہوتی ہے اور مال و اولاد بلکہ پوری دنیا کی محبت بھی اللہ کی محبت پر غالب نہیں آتی۔ تاریخ کی یہ ناقابل انکار شہادت ہے کہ جن لوگوں نے جتنا بڑھ کر ایمان اور اللہ سے محبت کا دعویٰ کیا وہ آزمائش کی بھٹیوں میں تپائے گئے اور انہیں جانوں تک کا نذرانہ پیش کرنا پڑا۔ مؤمن یا موحد صرف ایک اللہ کی اطاعت و عبدیت کا اعلان نہیں کرتا بلکہ وقت کے رائج خود ساختہ اور باطل خداؤں کا انکار بھی کرتا ہے۔ اگر صرف مثبت طریقے سے وہ اللہ واحد کا اقرار کرے اور معروفات و حسنات کا پیامی بنا رہے تو یقیناً مخالفتوں' سازشوں اور گھناؤنی حرکتوں کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا اور زندگی عافیت سے گزرے گی' لیکن تقاضائے ایمان کی تکمیل اُس وقت تک نہ ہو سکے گی' جب تک باطل خداؤں کا بھی شدومد سے انکار نہ کیا جائے اور خبائث و رذائل اور منکرات و سیئات کے خلاف محاذ آرائی نہ کی جائے۔ حق و باطل اور معروف و منکر سے متعلق اس طرح کے اقدامات یقیناً مخالفتوں کو دعوت دیتے ہیں' مشکلات اور مصائب کے دروازے کھول دیتے ہیں' سازشوں اور رذیل حرکتوں کے محرک بنتے ہیں' لیکن اس راہ میں ثبات و استقلال پر تائیدِ الٰہی شامل ہوتی ہے' فرشتوں کی مدد آتی ہے اور دنیا اور آخرت دونوں کے لیے نویدِ مسرت سنائی جاتی ہے۔

حوالے وحواشی:

(۱) ﴿اِنَّا زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنۡیَا بِزِیۡنَۃِ ۣ الۡکَوَاکِبِ ۙ﴾ (الصّٰفّٰت)

''یقیناً ہم نے مزیّن کر دیا ہے آسمانِ دنیا کو ستاروں کی زیبائش سے۔''

(۲) ﴿اِنَّا جَعَلۡنَا مَا عَلَی الۡاَرۡضِ زِیۡنَۃً لَّہَا﴾ (الکھف:۷)

''یقیناً ہم نے بنا دیا ہے جو کچھ زمین پر ہے اسے اس کا بناؤ سنگھار۔''

(۳) ﴿لَمۡ یَلِدۡ ۬ۙ وَ لَمۡ یُوۡلَدۡ ۙ﴾ (الاخلاص)

(۴) ﴿لَیۡسَ کَمِثۡلِہٖ شَیۡءٌ ۚ﴾ (الشوریٰ:۱۱)

''اس کی مثال کی سی بھی کوئی شے نہیں۔''

(۵) المجادلة:۱۹

(۶) بطور مثال ملاحظہ فرمایئے البقرة: ۱۸۹، ۱۹۴، ۱۹۶، ۲۰۳، آل عمران: ۱۰۲، ۱۲۳، ۱۳۰، ۱۳۱، النساء: ۱، ۱۳۱، المائدة: ۲، ۴، ۷، ۸، الانعام: ۱۵۵، الانفال: ۱، ۲۵، ۶۹، الشعراء: ۱۰۸، لقمان: ۳۳، الحدید: ۲۸۔

(۷) ﴿اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ ۝۵۱﴾ (المؤمن)

''ہم لازماً مدد کرتے ہیں اپنے رسولوں کی اور اُن لوگوں کی جو ایمان لائے دنیا کی زندگی میں بھی، اور اُس دن بھی (مدد کریں گے) جس دن گواہ کھڑے ہوں گے۔''

(۸) ﴿اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ .....﴾ (النحل:۱۲۵)

''آپؐ دعوت دیجیے اپنے ربّ کے راستے کی طرف دانائی اور اچھی نصیحت کے ساتھ.....''

(۹) ﴿وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ؕ﴾ (البقرة:۲۶۹)

''اور جسے حکمت عطا کر دی گئی اسے تو خیر کثیر عطا ہو گیا۔''

(۱۰) صحیح مسلم، کتاب الایمان، عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ وعن عبداللّٰہ بن مسعود رضی اللہ عنہ۔

(۱۱) ﴿عَسٰى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ۝۷۹﴾ (بنی اسرائیل)

''امید ہے کہ آپؐ کا ربّ آپؐ کو مقامِ محمود پر فائز فرمائے گا۔''

(۱۲) ﴿وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ۝۴﴾ (الم نشرح)

''اور ہم نے آپؐ کے ذکر کو بلند کر دیا ہے۔''

(۱۳) ﴿لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ﴾ (الفتح:۲)

''تاکہ اللہ بخش دے آپ کی کوتاہیاں جو پہلے ہوئیں اور جو بعد میں ہوئیں۔''

(۱۴) البیّنة :۸

❁❁❁

اخلاص فی العبادت اور اقامتِ دین
کی اہمیت وفرضیت، بعنوان:

توحیدِ عملی

سورۃ الزمر تا سورۃ الشوریٰ کی روشنی میں

ڈاکٹر اسرار احمد رحمۃ اللہ علیہ

اشاعت خاص 150 روپے، اشاعت عام 100 روپے